وارثِ انبیاء کے فرائض

از مولوی محمد رستم صاحب متعلم دارالحدیث رحمانیہ دہلی

حضرات! جب میں اپنی علمی زندگی کی طرف دیکھتا ہوں تو ہمت نہیں پڑتی کہ عنوان بالا کے ماتحت کچھ تحریر کروں مگر حدیث رسول فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ یعنی اگر میری کوئی چھوٹی سی بات بھی ہو تب بھی اسے میری طرف سے دوسروں کو پہنچا دو کے اطلاق کی طرف نظر کرتے ہوئے خدا کا نام لیکر قلم اٹھا رہا ہوں۔

ناظرین! اگر آپ کو کوئی بات پسند آئے اور وہ کتاب اللہ وسنت سید الکونین کے موافق ہو تو مجھے امید ہے کہ عمل کرنے کی کوشش کرینگے مگر اصل موضوع کی تنقیح سے قبل وارثِ انبیاء کی تعریف کر دینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ ناظرین کو مضمون کے سمجھنے میں سہولت ہو۔ سنئے وارث انبیاء وہ عالم ہے جو مقتضائے علم دین پر عمل کرتا ہو اور اپنے آپ کو غافلوں کو جگانے اور جاہلوں کو راستہ بتانے اور بھاگنے والوں کو واپس لانے اور مفید علوم اور پند ونصائح کی باتوں کی اشاعت کرنے میں وقف کر چکا ہو اور جو باتیں شرعاً بری ہیں ان سے الگ ہو کر ان پر شدید انکار کرتا ہو اور شرعاً جو باتیں پسندیدہ ہیں ان کو قبول کرنے میں گریز نہیں کرتا اور سمجھتا ہے کہ اچھی بات وہی ہے جسے شریعت مطہرہ نے اچھی بتائی ہے اور بری وہ ہے کہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ نے جس کی برائی کی خبر دی ہے کیونکہ نفسانیت کی وجہ سے کوئی بری چیز اچھی بتانے سے اچھی نہیں ہو جاتی اور نہ ہی کوئی اچھی چیز بری بتانے سے واقع ونفس الامر میں بری ہو جایا کرتی ہے اور عقلمند بنکر حکمت ومواعظ حسنہ کے ساتھ نیک کاموں کا حکم کرنیوالا ہو، نہ بات میں سختی اور دل آزاری ہو نہ برتاؤ میں مہربان بنکر کام کی تخریب، نہ حد سے تجاوز، اور نہ کسی پر ظلم بلکہ تمام امور میں اعتدال نہ روش اختیار کرنیوالا وارثِ انبیاء ہے اور یہی شخص العلماء ورثۃ الانبیاء۔ (یعنی علماء پیغمبروں کے وارث ہیں) کا پورا پورا مصداق ہے۔

ناظرین کرام! جب آپ کو تعریف معلوم ہوگئی تو اب اصل مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں پہلی چیز جو وارثِ انبیاء کے لئے ضروری ہے وہ عمل ہے غور طلب امر یہ ہے کہ علماء جو وارثِ نبی ہوئے اسکی وجہ کیا ہے انبیاء میں کونسی چیز پائی جاتی تھی کہ وہ علماء میں پائی گئی جس کی وجہ سے وارث نبی کہلانے لگے غور وخوض سے معلوم ہوتا ہے کہ دو چیزیں ہیں جو علتِ وراثت ہیں (۱) کمالِ علمی۔ (۲) کمالِ عملی اب دیکھنا یہ ہے کہ صرف کمال علمی وجہ وراثت ہے یا کمال علمی مع کمالِ عملی کے۔ ظاہر ہے کہ صرف کمال علمی وجہ وراثت بن نہیں سکتا کیونکہ وارث ہونے کیلئے مقبول ہونا ضروری ہے اور عالم بے عمل میں کوئی شانِ مقبولیت نہیں عالم بے عمل کی تو ایسی مثال ہے کہ ایک کاغذ کا پھول جس میں خوشبو نہیں۔ پس بے خوشبو کا پھول جس طرح لوگوں کے نزدیک قابلِ قدر نہیں اور نہ اس کی طرف کوئی محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے

نہ ہاتھ میں لیتا ہے اگر اس کی قدر کی جاتی ہے تو صرف خوشبو کی وجہ سے اسی طرح وہ عالم جو عامل نہیں نہ اس کی قدر اور نہ دربارِ خداوندی میں مقبول ہے بلکہ سخت عذاب کے لائق ہے اور کیسے مقبول ہو سکتا ہے حالانکہ شیطان سب سے بڑا عالم ہے لیکن اس کا انجام سب کو معلوم ہے محتاج بیان نہیں اور وہ انجام تو ارشاد خداوندی کے مطابق عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہوا۔ اب رہ جاتی ہے یہ بات کہ شیطان کے بڑا عالم ہونے کی کیا دلیل ہے تو وہ ملاحظہ فرمایئے کہ وہ علماء کے اغوار کی تدبیر کرتا ہے اور بے راہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور بسا اوقات اس میں غالب اور کامیاب بھی ہو جاتا ہے اور یہ اظہر من الشمس ہے کہ کسی شخص کے خیالات کو وہی بدل سکتا ہے جو کہ خود بھی ان خیالات میں کم از کم اس کے برابر تو عالم ہو جس کے خیالات کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ قانون داں کو وہی شخص دھوکہ دیسکتا ہے جو کہ خود بھی قانون داں ہو، اس فن میں کافی مہارت رکھتا ہو۔ پس شیطان کا علماء کے اغوا میں کامیاب ہو جانا یہ دلیل ہے کہ وہ بڑا عالم ہے۔ اور عدم العمل ہی کی وجہ سے تو حاملینِ تورات کو گدھے کے ساتھ تشبیہ دی گئی چنانچہ ارشاد باری ہے مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا (ترجمہ) بلکہ وہ عالم جو عمل نہیں کرتا ہے اسکو حیوانات سے بھی بدتر کہا گیا ہے

ہے تو عالم عابدوں میں جیسے انجم میں قمر   بے عمل نکلا تو پھر وہ مولوی خر ہو گیا

نیز اس دعویٰ کی تصدیق و تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے العلماء ورثة الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارًا ولا درهمًا ولکن ورثوا العلم یعنی علماء انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہیں مگر وہ کسی دنیاوی مال ومتاع درہم ودنانیر روپیہ پیسہ کے وارث نہیں۔ ہاں وارث ہیں تو دولت علم وہنر کے وارث ہیں اور آگے حضورؐ فرماتے ہیں فمن اخذہ اخذ بحظ وافر یعنی جس نے علم حاصل کیا اس نے حظ وافر (پورا حصہ) حاصل کیا۔ اس حدیث میں علم کو حظ وافر فرمایا گیا۔ اب غور کرنا چاہئے کہ علم حظ وافر کب ہو سکتا ہے۔ غور کرنے اور دیگر احادیث کے ٹٹولنے سے عیاں ہوتا ہے کہ علم حظ وافر اسوقت ہو سکتا ہے جبکہ وہ مقرون بالعمل ہو نری صفتِ علم حظِ وافر نہیں ہے کیونکہ نری صفت علم کا وبال جان ہونا خود حدیث شریف میں مرقوم ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کو دیکھا جائیگا کہ اس کی انتڑیاں باہر نکل پڑی ہیں اور وہ اس کے ساتھ چاروں طرف گھوم رہا ہوگا۔ لوگ سبب پوچھیں گے تو وہ بتائیگا کہ میں نے دنیا میں علم سیکھا تھا مگر اس کے مقتضی پر عمل نہیں کرتا تھا۔ نیز بعض حدیثوں میں نرا علم جو عمل سے خالی ہو اس کو جہل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وان من العلم لجهلا یعنی بعض علم بیشک جہل ہے بھلا جو علم عقاب الٰہی اور عذاب خداوندی سے نجات نہ دلا سکے وہ حظ وافر کیونکر ہو سکتا ہے بلکہ حظ وافر اسوقت ہوگا جبکہ وہ مقرون بالعمل ہو۔ نیز عالم کا معنی شرعًا یہی ہے کہ وہ کتاب اللہ وسنت ہادی الثقلین اور مسائل شرعیہ سے واقف ہو اور اس پر عمل کرتا ہو اس کی دلیل یہ حدیث ہے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کعب احبار رضی اللہ عنہ سے سوال کرتے ہیں من ارباب العلم یعنی بحکم شارع علماء کون ہیں تو وہ بزرگ جواب میں فرماتے ہیں الذین یعملون بما یعلمون یعنی

عام وہ شخص ہے جو مقتضائے علم پر عمل کرتا ہو پس العلماء ورثۃ الانبیاء میں جو الف لام ہے یہ عہد کے لئے لیا جائیگا جو کہ اصل ہے جبتک خلاف پر کوئی قرینہ صارفہ موجود نہ ہو لہذا یہاں پر العلماء سے معہود علماء عاملین ہیں پس حدیث کا معنیٰ یہ ہوگا کہ العلماء الذین یعملون بما یعلمون وارثون الانبیاء یعنی وہ علماء جو مقتضی علم پر عمل کرتے ہیں وہی وارث انبیاء ہیں پس معلوم ہوا کہ نرا علم جو عمل سے خالی ہو لا یُعبأ بہ ہے عالم بے عمل عنداللہ مقبول نہیں بنا ُ علیہ صرف کمال علمی وراثت کے لئے کافی نہیں جب تک کہ کمال عمل کی معیت نہ ہو۔ پس مدعی وراثۃ انبیاء کے لئے ضروری ہے کہ وہ علمی لباس کے ساتھ ساتھ عملی لباس سے بھی ملبوس ہو اور وہ عملی لباس تین قسم کے ہیں جو انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام میں پائے جاتے تھے۔ عمل جوارح جیسے نماز جو کہ ہاتھ پاؤں، سر سے متعلق ہے۔ عمل لسان جیسے ذکر اللہ جو زبان سے متعلق ہے۔ عمل قلب جیسے خشوع جو کہ قلب کے ساتھ متعلق ہے ان تینوں چیزوں کو اللہ تبارک تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا کَانُوْا یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَیَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ (پ سر انبیاء) یعنی پیغمبر لوگ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع اور عاجزی کرنے والے تھے ان تینوں چیزوں کو جمع کرنے سے کمال عمل حاصل ہوتا ہے جب عالم ان تینوں کا جامع ہوگا اس وقت وہ اپنے کو وارث انبیاء کہلا سکتا ہے نہیں تو زبانی جمع خرچ سے فقط ندامت حاصل ہوگی۔

ناظرین کرام! وارث انبیاء کے لئے جس طرح عمل ضروری ہے اسی طرح تبلیغ بھی نہایت ضروری اور لابدی چیز ہے کیونکہ وراثت کا تو یہ معنی ہے کہ مورث کے ذمہ جو فرائض تھے ان کی نگہبانی کرنا اور اس پر جو حقوق عائد ہوتے تھے ان سب کی پاسبانی کرنا اور یہ ظاہر ہے کہ انبیاء کا اصل کام دعوت الی اللہ تھا ان کی بعثت سے غرض یہی تھی کہ وہ لوگوں کی تربیت کریں لوگوں کو احکام الٰہی سکھلائیں اور فلاح و بہبودی کا راستہ و طریقہ بتائیں بنی نوع انسان کو تزکیہ نفس کی تعلیم دیں اور حکمت و دانائی کی باتیں بتلائیں۔ چنانچہ ارشاد باری عزوجل ہے۔ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (سورہ جمعہ) وہی ذات پاک ہے جس نے اُمیوں میں سے ایک ایسا رسول مبعوث کیا جو اُن کو اللہ تعالیٰ کی آیات سناتا ہے اور ان کو پاکباز بناتا ہے۔ (تزکیہ نفس کے آزمودہ طریقے بتا کر) یعنی قرآن اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور ایک جگہ ارشاد ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ) یعنی اے پیغمبر جو کچھ اتارا گیا ہے اس کو لوگوں تک پہنچا دیجئے اگر آپ ایسا نہیں کرینگے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھیگا۔ ایک اور جگہ ارشاد خداوند لایزال ہے۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ

لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (فتح) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول دین حق اور ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔ نیز فرمانِ الہٰی ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا (احزاب) اے نبی ہم نے بیشک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں اور مومنین کو بشارت اور خوشخبری دینے والے ہوں اور کفار کو ڈرانے والے ہوں اور سب کو اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہوں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں یہ تمام آیتیں صاف اور واضح طور پر بتاتی ہیں کہ انبیاءؑ کا واحد فریضہ تبلیغ یا دعوت الی اللہ تھا پس وارث انبیاء کے لئے بھی ضروری ہے کہ یہ سامان تیار کر لے۔ قبل ازیں کہ وہ اپنے کو وارث نبی سمجھے یا کہلائے اور یہ ضروری اور از بس ضروری ہے۔ چنانچہ خداوند قدوس بصیغۂ امر فرماتا ہے کہ وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ (پ ۴ ع ۲۶) اور چاہیئے کہ تم لوگوں میں سے ایک گروہ (وارث انبیاء کی جماعت) ہو جو لوگوں کو اسلام کی طرف بلائے اور اچھی باتوں کا حکم دے اور بری باتوں سے منع کرے اور ایسے ہی لوگ دنیا و دین میں فلاح و بہبودی پانے والے ہیں۔

قربان جائیے اس نبی برحق امی عربی پر کہ خود اپنے قول سے آگاہ کر کے فرما گئے بلغوا عنی ولو آیۃ یعنی میری طرف سے اگر ایک بات بھی ہو تو دوسرے تک پہنچا دو اس سے بھی بخوبی واضح اور آشکارا ہو گیا کہ وارث انبیاءؑ کے لئے تبلیغ نہایت ضروری ہے جب یہ بات معلوم ہو گئی تو اب میں بتانا چاہتا ہوں کہ تبلیغ کس کو کہتے ہیں اور اس کے کیا کیا طریقے ہیں۔ تبلیغ کا لغوی معنی "پہنچانا" ہے۔ جو بھی کوئی چیز ہو کسی امر کے ساتھ مخصوص نہیں اور شرعی اصطلاح میں اس کا معنی "احکام خداوندی کو بنی نوع انسان تک پہنچانا" خواہ تقریر کے ضمن میں ہو یا تحریری صورت میں ہو یا عملی نمونہ بن کر جن احکام پر بنی نوع انسان عمل کر کے قرب خداوندی حاصل کر سکتے ہیں جس کو اس آیت وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ (پ ۲۴ س حم السجدہ) میں دعوت الی اللہ یا توجہ الی اللہ سے ملقب فرمایا گیا ہے یعنی کسی کافر کو اسلام کی ترغیب دینا ضعیف الاسلام کو تقویت الاسلام کی ترغیب دینا اور اگر کوئی متردد ہے جن کے اسلام سے نکل جانے کا خوف ہو ان کو اسلام پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کرنا اور جن پر نماز فرض ہے ان کو نماز کی ترغیب دینا اور صاحب نصاب کو زکوٰۃ کی ادائیگی کی ترغیب دینا اور جن کے پاس زاد راہ حج ہو اور گھر میں بھی اتنا سامان ہو کہ وہ مدت سفر حج میں اہل وعیال کا جس سے گذران ہو سکتا ہے تو اس کو حج میں جانے کی ترغیب دینا غیر مہذب کو تہذیب اخلاق کے آزمودہ طریقے بتانا، کسی مبتلائے معصیت کو معصیت سے روکنا یہ ہے تبلیغ کا معنی نیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی اسی کو کہتے ہیں جب آپ کو تبلیغ کا مفہوم معلوم ہو گیا تو اب آپ طریقۂ تبلیغ ملاحظہ کیجئے۔

تبلیغ کی تین صورتیں ہیں (۱) دعوت بالحکمت (۲) دعوت بالموعظۃ الحسنۃ (۳) دعوت بالمناظرہ یا باصطلاح

قرآن مجید مجادلہ جن کو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (النحل ع ۱۲) یعنی راہِ خدا کی طرف حکمت اور نرم نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان لوگوں سے مناظرہ کرو ایسے طریقے پر جو سب سے نرالا ہو۔ نرم نصیحت کا یہ معنیٰ نہیں کہ نرمی اس طرح پر کرو کہ کام ہی بگڑ جائے بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ عنوان اچھا اور سنجیدہ ہو اس میں دل آزاری نہ ہو لعن طعن تحقیر و تذلیل مقصود نہ ہو اور مناظرہ میں بھی ان چیزوں کا لحاظ رکھنا چاہئے اور یہ تین درجے اس لئے رکھے گئے ہیں کہ لوگوں کے اذہان تین قسم کے ہیں۔

(۱) سائل جب اپنا کلام شروع کرتا ہے تو شک و شبہ کی پہلی گھاٹی اس کے روبرو ہوتی ہے اس کیلئے ابھی نہ بحث و مباحثہ کا زمانہ ہے نہ جنگ وجدال و جرح و قدح کا وقت۔ اس لئے حق بیں و حق گو مجیب مظہر حق و صداقت اپنا فرض یوں انجام دیتا ہے کہ سائل کے سامنے سوال کا نقص اور اس کی خامیاں اور شبہات کے تمام نواحی و جوانب اور ہر گوشہ و کنارے کی کمزوریاں اور ضعف حکمت و فراست اور حذاقت و ذکاوت و عقل و دانائی کی ترازو پر وزن کرتا ہے اور اس کی روشنی اور ضیا میں اپنی دلیل و برہان کی بنیادیں قائم کرتا ہے اگر سائل کی سمجھ میں آگئی تو پہلے درجہ ہی میں فائز المرام ہوتا ہے اور گوہر مقصود اور جوہر مراد پا لیتا ہے اور قلبی طمانیت اور سکونِ قلب حاصل کر لیتا ہے مگر نفس کی سرکشی و شیطنت نے راہ یابی سے اگر روک رکھا اور نفی و جحد سے کام لیا اور رہبر صراطِ مستقیم کے اطمینان بخش جوابات اس کی پیاس کو نہ دور کر سکے اس کی تشنہ کامی کو سیراب نہ کر سکے تو اب داعی حق و صداقت راہنمائے مذہب و ملت مبلغ اسلام راہبر ملت بیضاء دوسری صورت اختیار کرتا ہے یعنی اپنے حکمت آمیز روشن و ساطع براہین کو بیش بہا پند و نصائح سے مزین کرتا ہے جس سے طالبان حق کی ایک بہت بڑی جماعت اس دوسرے درجہ میں آکر سر تسلیم خم کرتی ہے اور سرنیاز جھکا دیتی ہے شمع رشد و ہدایت پر پروانہ وار نثار ہو جاتی ہے مگر یہ لازمی بات تو نہیں کہ ہر فرد بشر پہلے اور دوسرے درجہ ہی میں راہِ ہدایت پر آجائے کہیں تلازم تو نہیں کیونکہ طبیعت عنصریہ میں استعداد حق کے باوجود عوارض و اثرات خارجیہ اور نفس کی سرکشی اور ماحول کی فتنہ انگیزیاں غالب آجاتی ہیں اور سائل کو یہ انکار جحود و نفی اس درجہ تک پہنچا دیتی ہیں جس کو مناظرہ یا باصطلاحِ قرآن شریف مجادلہ کہا جاتا ہے لیکن رہبر صراطِ مستقیم نہایت خوشی اور خندہ پیشانی اور عزم و استقلال کے ساتھ مناظر و مجادل کے اس رویہ کو برداشت کرتا ہے اور باوجود مجادل و مناظر کی ترش و سخت کلامی کے نرم خوئی اور وسعت قلبی سے جواب دیتا ہے نہ مناظر کی دل آزاری کرتا ہے نہ لعن طعن تحقیر و تذلیل کیونکہ مناظرہ میں تو دونوں طرف سے علمی ہی بحث ہوتی ہے اور دونوں عالم ہوتے ہیں اس میں جہل کی گنجائش کہاں بلکہ اگر کسی جاہل سے بھی مناظرہ کرنیکا اتفاق پڑے تو اس کے جواب میں بھی جہالت ممنوع ہے چنانچہ ارشاد ہے وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (سورۂ فرقان) یعنی جاہلوں کی جہالت کا بھی جواب جہالت سے نہیں دیتے ہیں بلکہ علمی طرز و طریق پر اور عالمانہ

اسلوب میں دیتے ہیں چنانچہ "قالوا سلاماً" شاہد عدل ہے۔

حضرات! قربان جائیے اس نبی پر کہ آپ کا نام محمد ہے مگر کفار قریش آپ کو مُذَمَّم پکارا کرتے تھے کیونکہ محمد کا معنی بہت زیادہ محمود الاخلاق اور ستودہ صفات کے ہیں ان کو کب گوارا تھا کہ اپنے خیال میں جو ناحق پر ہے اسکو ایسی پاکیزہ صفت سے موصوف کرتے برخلاف مذمم کے کہ وہ محمد کے برخلاف مذموم الاخلاق کے معنی رکھتا ہے۔ ذرا خیال کیجئے کہ مسلمانوں کو کسقدر ناگوار معلوم ہوا ہوگا اور کسقدر رنج والم کے شکار ہوئے ہوں گے حتی کہ جان لینے اور دینے کے لئے تیار ہو جاتے رہے ہونگے مگر ایسے وقت میں بھی بمطابق تعلیم خداوندی لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (آل عمران ع۱۹) یعنی جان و مال میں تمہاری آزمائش ہوگی اور مشرکین و اہلِ کتاب سے اذیت کی باتیں سنوگے اگر تم صبر کروگے اور بچوگے (جہالت کی باتوں سے) تو یہ بڑی عزیمت کی بات ہے) ایسی سخت وسست بات کو مسلمانوں کے دلوں سے ہلکا کرنے کیلئے فرماتے ہیں: انظر واکیف صرف الله عنی شتم قریش یشتمون مذمما ویلعنون مذمما وانا محمد۔ یعنی دیکھو اللہ تعالیٰ نے کس طرح کافروں کی گالی گلوچ کو مجھ سے پھیر دیا کہ وہ مذمم کو برا بھلا کہتے ہیں اور میں تو محمد ہوں" حالانکہ حضور کو معلوم تھا کہ مذمم سے میں ہی مراد ہوں مگر اس سے بالکل قطع نظر کر لیتے ہیں۔ پس جب جہل کے جواب میں بھی خدا و رسول کو خشونت اور درشت فراجی و بداخلاقی پسند نہیں تو مناظرہ میں کب پسند ہوگی پس وارثِ انبیاء کو مناظرہ میں بھی اپنی طرف سے خشونت درشت مزاجی دل آزاری پسند نہ کرنا چاہئے تاکہ مخالف کو ضد اور ہٹ دھرمی کا اور انگشت نمائی کا موقع نہ ملے اور دلائل میں غور و فکر سے کام لے اور راہ راست پر آجائے۔

حضرات اب اپنے مضمون کو تبلیغ کے چند اصول بیان کر کے ختم کرتا ہوں۔ سنئے دعوت الی اللہ یا تبلیغ کی ابتدا اور اس کا شروع اپنے خاندان اور رشتہ دار سے ہونی چاہئے اور سب سے پہلے اپنی پوزیشن صاف ستھری کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہئے تاکہ لوگوں کو حرف گیری اور انگشت نمائی کا موقع نہ ملے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سے پہلے اپنے گمراہ باپ کو راہ راست پر لانے کے درپے ہوئے تھے اور حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ اجمعین کو بھی حکم ہوتا ہے وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ یعنی اپنے قریب ترین اعزہ واقربا کو ڈرائیے چنانچہ آپ نے تعمیل ارشاد کے لئے خاص و عام سب کو دعوت دی کہ اے کعب بن لوئی کی اولاد اپنے آپ کو اللہ کے عذاب سے بچاؤ، میں تمہارے لئے اللہ کے دربار میں بغیر ایمان کے کچھ کام نہ آسکوں گا اور اے مرہ بن کعب کی اولاد اپنے آپ کو عذابِ الٰہی سے چھڑاؤ، اور اے بنی عبد مناف اور اے بنی عبد المطلب اور اے بنی ہاشم اپنے آپ کو عذابِ الٰہی سے رہائی کرنے کی کوشش کرو اسلئے کہ میں تمہارے لئے کسی چیز کا مالک نہیں اور اپنی صاحبزادی سیدۃ النساء حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خطاب کر کے فرمایا یا فاطمۃ بنت محمد انقذی نفسك من النار لا اغنی عنك من الله شیئا یعنی اے فاطمہؓ اپنے آپ کو اللہ کے عذاب سے بچا اس لئے کہ میں اللہ کے

یہاں بغیر اذن الٰہی تمہارے کام نہ آؤں گا اسی طرح اپنی پھوپھی صاحبہ کو خطاب کرکے فرمایا یا صفیۃ عمۃ رسول اللہ انقذی نفسک من النار لا اغنی عنک من اللہ شیئاً یعنی اے میری پھوپھی صاحبہ آپ اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچائیے کیونکہ میں اللہ کے یہاں کام نہ آسکوں گا یعنی جب تک کہ تم بھی کچھ سامان مہیا نہ کرلو۔ غرضیکہ اسی طرح تمام اعزہ واقربا کو پکار کر فرمایا کہ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے چھڑاؤ۔ میں بغیر اذن الٰہی کے کام نہ آسکوں گا جب تک کہ تم بھی کچھ سامان مہیا نہ کرلو۔ میرا قریبی رشتہ دار ہونا تمہارے لئے مفید نہیں پس معلوم ہوا کہ حق کی تبلیغ ونشر اشاعت میں پاس مراتب یا لحاظ عظمت یا کسی بزرگ کی بزرگی یا کسی عزیز کی دلجوئی کا ملحوظ رکھنا ضروری نہیں ہے۔ تبلیغ کے معاملہ میں باپ کی ابوت کو کچھ دخل نہیں کسی محسن کے احسان کا کچھ اثر نہیں ہوسکتا ہے۔ بلکہ سب سے پہلے انہی کو دینِ حق کی طرف اور شرک وکفر اور عذاب خداوندی سے بچنے کی دعوت اور تلقین کرنی چاہئے چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ (پ ۲۸ ع ۱۶) یعنی اے ایمان والو! اپنے کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ وہ آگ جس کے ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ۔

دعوت الی الحق کے لئے مضبوط قلب وجراتِ لسانی اور قوتِ بازو اور ہمتِ عالیہ کی اشد ضرورت ہے تبلیغی سلسلہ میں کیسی ہی زحمتیں سنگِ راہ ہوں اور سیلابِ اذیت درپیش ہو مگر اپنے مشن کو برابر سنبھالے رہنا چاہئے اگر اس دوران میں اپنی جان نثار کرنے کی ضرورت ہو تو نثار کرنا چاہئے اس میں کسی قسم کا دریغ نہ کرنا چاہئے اور ہر قسم کے مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑیگا اس کے سہنے میں کوتاہی نہ کرنا چاہئے کیونکہ ؎

ترک جان وترک مال وترک سر در طریقِ عشق اول منزلست

نیز تبلیغ کو کسبِ منصب وحصولِ جاہ کا ذریعہ نہ بنانا چاہئے اور نہ یہ کہ اس کے نام پر اچھے اور بلند درجے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور نہ مال ودولت جمع کرنے کا ارادہ ہونا چاہئے کیونکہ یہ ارادہ تبلیغی سلسلہ میں سمِ قاتل کا مرادف ہے بلکہ یہ سوچے کہ اس کا اجر وثواب ومعاوضہ دینے والا اللہ تعالیٰ ہے جو کچھ طلب کرنا ہو بس اسی سے مانگنا چاہئے۔ اگر احتیاج اور مراد حاصل کرنا ہے تو اسی سے مانگنا چاہئے تب تو یہ تبلیغ وجہ وراثت بن سکتی ہے نہیں تو اللہ تعالیٰ کے پاس شرمندگی اور خسارہ اٹھانا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو صحیح معنی میں وارثِ انبیا بنائے اور ہمیں اپنا بناکر بیش بہا خدمتِ دینی سے مستفیض ہونے کی توفیق بخشے اور آخرت میں سرخروئی عطا کرے۔ ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ اٰمین ثم اٰمین